مطالعہ قرآن حکیم
ڈاکٹر اسرار احمد

سورۂ آلِ عمران

آیت ۱۸۵

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم بسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیم

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○

"ہر جاندار کو موت کا مزہ لازماً چکھنا ہے اور قیامت کے دن تمہیں پورا پورا اجر دے دیا جائے گا۔ پس جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا اس نے بھرپور کامیابی حاصل کر لی۔ اور یہ دُنیوی زندگی تو سوائے دھوکے کے سامان کے اور کچھ ہے ہی نہیں!"

سورۃ آلِ عمران اور سورۃ البقرہ دونوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشترک نام "الزھراوین" سے موسوم فرمایا ہے، یعنی دو انتہائی روشن اور تابناک سورتیں۔ ان دونوں کے مابین بہت سی دوسری مشابہتوں کے ساتھ یہ امر بھی مشترک ہے کہ دونوں تقریباً مساوی نصفین میں منقسم ہیں۔ دونوں کے نصفِ اوّل میں رُوئے سخن اصلاً اہلِ کتاب کی جانب ہے اور نصفِ ثانی میں خطاب مسلمانوں سے ہے، بحیثیتِ اُمّتِ مسلمہ ــــــ اس فرق کے ساتھ کہ سورۃ البقرہ میں اہلِ کتاب میں سے تمام گفتگو یہود کے ساتھ ہوتی ہے اور سورۃ آلِ عمران میں اکثر و بیشتر نصاریٰ کے ساتھ۔ سورۃ آلِ عمران میں مسلمانوں سے خطاب یوں تو آیت نمبر ۱۰۰ ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور سورت کے اختتام تک چلتا ہے لیکن اس میں درمیانی آیات یعنی از آیت نمبر ۱۲۱ تا آیت نمبر ۱۸۰ تو ایک نہایت ہی مربوط اور مسلسل خطبے کی صورت میں ہیں، جس میں غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات پر نہایت بھرپور تبصرہ بھی ہے اور اُس کے معاً بعد

© rasailojaraid.com

ترتب ہونے والے اثرات کے ضمن میں مفصّل ہدایات بھی۔اس کے بعد چار آیات میں ایک مختصر حوالہ ہے یہود کے علماء وعوام اور ان کے زیرِ اثر منافقین کی شرارتوں کا ـــــــ اور اُس کے بعد آتی ہے زیرِ درس آیت جس کے الفاظ اتنے جامع ہیں کہ اُن میں روئے سخن دونوں جانب قرار دیا جاسکتا ہے۔ یعنی ایک[۱] طرف مومنینِ صادقین کے لیے ان الفاظِ مبارکہ میں بشارت ہے تو دوسری[۲] جانب یہود اور منافقین کے حق میں انہی میں تہدید و انذار بھی موجود ہے، اور سلسلۂ کلام سے علیحدہ کر کے اگر نگاہ کو صرف اس آیۂ مبارکہ ہی پر مرتکز کر دیا جائے تو یہ خود اپنی جگہ ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی توحید، معاد اور رسالت میں سے انسان کے افعال و اعمال اور اخلاق و کردار پر مؤثر ہونے کے اعتبار سے اہم ترین ایمان، یعنی ایمان بالآخرۃ کے بیان میں معجز نما فصاحت و بلاغت کی حامل ہے۔

اس آیۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے ایک ایسی اٹل حقیقت یعنی UNIVERSAL TRUTH کے ذکر سے جس کی تردید کا کوئی امکان ہی نہیں یعنی موت جو زندگی کی عظیم ترین حقیقت ہے اور جس سے کسی ذی حیات کو رستگاری نہیں، سوائے اُس ذاتِ "حیّ و قیوم" کے جو خود موت اور زندگی دونوں کا خالق ہے بمصداق الفاظِ قرآنی: خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ اس سے ایک تو رہنمائی ملتی ہے اُس حکمت کی جانب کہ گفتگو کا آغاز کسی ایسی بات سے کرنا چاہیے جو متفق علیہ ہو اور جس سے انکار کی تاب و مجال مخاطب کو نہ ہو، خواہ وہ ایک بالکل پیش پا افتادہ حقیقت ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ واقعہ یہی ہے کہ جو چیزیں انسان کی آنکھوں کے سامنے ہمیشہ رہتی ہیں اکثر و بیشتر ان ہی سے غفلت ہو جاتی ہے۔

دوسرا معاملہ الفاظ اور اُسلوبِ بیان کا ہے، اور ظاہر ہے کہ "کلامُ الملوک ملوکُ الکلام" کے مصداق شہنشاہِ ارض و سماوات سے بہتر کلام کس کا ہو سکتا ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ کُل چار الفاظ ہیں: "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" اور ان میں سے ہر ایک خود اپنی جگہ بھی نہایت حسین و جمیل تراشیدہ ہیرے کے مانند ہے۔ اور پھر بندش اور ترکیب کا کمال مستزاد ہے جس نے حُسنِ کلام کو دوبالا کر دیا ہے ـــــ اور پھر سونے پر سہاگہ ہیں صوتی اثرات! ذرا غور سے کام لیا جائے تو معاملہ تو صرف انسانوں کا زیرِ بحث ہے لیکن الفاظ "كُلُّ نَفْسٍ" کے لائے گئے ہیں۔ ذرا تقابل کیجیے کہ اگر یہاں الفاظ "كُلُّ اِنْسَانٍ" ہوتے تو بات اپنی جگہ پوری ہوتے ہوئے بھی کتنی پھسپھسی اور بے جان سی ہو جاتی ـــــ "كُلُّ نَفْسٍ" نے ایک

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اٹل اور ازلی و ابدی حقیقت کو ہمہ گیر وسعت بھی عطا کر دی ہے۔ پھر "ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ" پر غور کیجیے، اس میں ایک تو 'چکھنا' ہی فصاحت و بلاغت کی معراج ہے' اس لیے کہ 'مرنے' اور 'موت کا مزا چکھنے' میں نتیجے کے اعتبار سے خواہ کوئی فرق نہ ہو، سامع یا قاری پر اثرات کے مترتب ہونے کے اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پھر یہ 'چکھنا' یہاں "ذَاقَ یَذُوْقُ" سے فعل کی صورت میں نہیں آیا بلکہ اسم فاعل کی صورت میں آیا ہے جس میں تاکید اور زورِ کلام اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمے میں لازماً کا اضافہ کیا گیا۔ یعنی: "ہر جاندار کو موت کا مزہ لازماً چکھنا ہے!" ـــــ واضح رہے کہ جملہ اسمیہ میں جو تاکید اور توثیق ہوتی ہے وہ جملہ فعلیہ میں نہیں ہوتی ـــــ!!

آگے فرمایا کہ تم سب کو اپنے کیے کا پورا پورا بدلہ قیامت کے روز مل جائے گا۔ قربان جائیے اس بلاغت کے کہ اس میں ایک جانب کفار و منکرین' خواہ وہ مشرکین میں سے ہوں خواہ اہلِ کتاب میں سے، پھر خواہ یہود میں سے ہوں خواہ مارِ آستین منافقین میں سے' ان سب کے لیے شدید تہدید و وعید ہے ـــــ اور دوسری جانب مومنینِ صادقین کے لیے تسلی بھی ہے اور دلجوئی بھی، گویا بشارت کا پورا سامان موجود ہے' اس لیے کہ ان کے حق میں "یوم القیامۃ" رحمتِ خداوندی کے ظہور کا دن ہے' بفحوائے الفاظِ قرآنی: کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ (اُس نے اپنے اُوپر رحمت کو واجب کر لیا ہے۔ وہ لازماً جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن، اس میں ہرگز کوئی شک نہیں!) اہلِ ایمان تو درحقیقت اُسی دن کے اُمیدوار ہیں' اور ان کے سارے حوصلے اور ولولے اور تمام آرزوئیں اور اُمنگیں اُسی دن سے وابستہ ہیں، اس لیے کہ وہ ان کی اپنے رب سے ملاقات کا دن بھی ہے اور اپنے خالق و مالک اور محبوبِ حقیقی کے دیدار کا بھی۔ ان کے لیے اس دن کے ذکر میں دھمکی کا اثر نہیں بلکہ تسلی و دلجوئی یعنی REASSURANCE کی کیفیت ہے۔

اس آیۂ مبارکہ میں اَجر کی جمع اُجُور اور صیغۂ مضارع مجہول یعنی تُوَفَّوْنَ کے الفاظ بہت قابلِ توجہ ہیں' اس لیے کہ 'اجر' کہتے ہیں کسی عمل کے بدلے کو جیسے مزدوری کی اُجرت یا کسی نیکی یا بدی کا ثواب یا عذاب' اور یہ لازماً حساب کتاب کی چیزیں ہیں جن میں عمل کی مقدار کی مناسبت ہی سے اُجرت ملتی ہے' بخلاف 'فضل' کے کہ اُس میں کسی حساب کتاب یا ناپ تول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے ضمن میں تو کہیں "بغیر حساب" کے الفاظ ملیں گے اور کہیں "مَا یَشَآءُ" کے۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

جبکہ یہاں اُجرت کی مناسبت سے لفظ آیا ہے" تُوَفَّوْنَ" کا۔ اس لیے کہ" وَفّٰی یُوَفِّی" کے معنی ہیں کسی کو کوئی چیز پوری پوری دے دینا اور اس میں کسی پہلو سے کوئی کمی نہ کرنا جس کی تاکید مزید کے لیے الفاظ آئے سورۃ ہود کی آیت ۱۰۹ میں: "وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ" یعنی "ہم اُن کو اُن کے اعمال کا بدلہ دیں گے پُورا پُورا بغیر کسی کمی کے"۔ یہاں یہ عرض کرنے کی حاجت نہیں ہے کہ یہ الفاظ جب جرم و گناہ کی سزا کے ضمن میں آئیں تو کس درجہ لرزا دینے والے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَعَذَابِكَ۔ (اے ربّ! ہم تیری ناراضی اور سزا سے تیرے ہی عفو و درگذر اور جُود و کرم کی پناہ میں آتے ہیں!)

آخر میں فرمایا: جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنّت میں داخل کر دیا گیا اُس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی! اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ (اے اللہ! ہمیں بھی اُن ہی میں شامل فرما دے!) آیت کا آخری ٹکڑا اہم ترین ہے اور یہ دراصل خلاصہ ہے ایمان بالآخرت کا، کہ اگر انسان کی آنکھیں اسی حیاتِ دُنیوی کی زینتوں اور رونقوں اور زیبائشوں اور آرائشوں میں اُلجھ کر رہ جائیں اور آخرت سے نسیان و ذہول لاحق ہو جائے تو پھر یہ ایک دھوکے کی ٹٹّی اور بصیرتِ انسانی کے لیے پردہ اور حجاب بن جاتی ہے، اور اس کا سارا ساز و سامان متاعِ غرور یعنی دھوکے کا سودا بن کر رہ جاتا ہے۔ حالانکہ اگر انسان آخرت کو پیشِ نظر رکھے اور اسی کو اپنا مطلوب و مقصود بنا لے تو پھر یہی حیاتِ دُنیوی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک" اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ" (یعنی دُنیا آخرت کی کھیتی ہے) کے مصداق ایک حقیقتِ کبریٰ کا رُوپ دھار لیتی ہے، اور انسان یہاں یہ سمجھ کر محنت کرتا ہے کہ یہاں بوؤں گا تو وہاں کاٹ سکوں گا، اور اس طرح رہبانیت اور ترکِ دُنیا کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

بقیہ: انسانی حقوق

رسولوں میں فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض انبیاء کو مانتے ہیں بعض کو نہیں ...... پس یہ لوگ پکّے کافر ہیں۔ اور ہم نے ایسے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔ (النساء: ۱۵۰۔ ۱۵۱)

(ع) اقتدا کا حق: "یہ (حضراتِ انبیاءؑ) ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی، سو آپ بھی انہی کے طریق پر چلیے"۔ (الانعام: ۹۱) "بیشک رسولؐ کی زندگی میں تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہے"۔ (الاحزاب: ۲۱)

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com